ایک ناداں خدا پرست اور دانا دنیادار

کی کہانی

آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر مرحوم و مغفور کی زبان سے

لڑکوں، لڑکیوں، چھوٹوں، بڑوں سب کے پڑھنے کے قابل

شستہ اور سلیس اُردو کا نمونہ

نہایت دلچسپ پیرایہ میں ایک نتیجہ خیز حکایت

باہتمام منشی محمد حسین محوی منیجر

الناظر پریس واقع چوک لکھنؤ میں طبع ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا عجیب بات ہے اَن ہوئی اور اَن سُنی۔ دو شخص پچھلی رات کو جنگل میں چلے جاتے تھے صبح ہونے ہی کو تھی کہ اُن کے سامنے روشنی کا ایک شعلہ نمودار ہوا۔ اُنھوں نے کہا کہ یہ کیا ہے شعلہ میں سے آواز آئی کہ میں خدا ہوں میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ تب تو یہ دونوں گھبرائے اور ننگے پاؤں ہو کر آگے بڑھے۔ قدموں کو ہاتھ لگایا اور ہاتھوں کو چوما اور کہا کہ اے پیارے خدا۔ ہم تو تجھکو ملکوں میں ڈھونڈ پھرے مگر تو تو ہمارے پاس ہی نکلا اب ہم پر مہربانی کر۔

شعلہ میں سے آواز آئی کہ تمھاری دعا قبول ہوئی۔ کل صبح کو نور کے تڑکے تم دونوں میں سے ایک اس پہاڑ پر اور دوسرا اس دوسرے پہاڑ پر جو دکھائی دیتے ہیں آحاضر ہو جو تمھاری تمنا ہو گی دی جاوے گی۔

سارا دن اور ساری رات دونوں کو بے قراری میں گزرا اور ہر ایک اپنے دل میں منصوبے کرتا رہا کہ کیا مانگوں کیا مانگوں۔ اتنے میں وقت آپہنچا اور یہ دونوں اپنے اپنے پہاڑوں پر جا حاضر ہوے اتنے میں جھاڑی چمکنے لگی اور خدا کی آواز آئی۔ دونوں لبیک لبیک کہہ کر چلا اُٹھے۔ جھاڑی میں سے آواز آئی جو مانگنا ہو مانگو۔ خدا پرست نے کہا کہ مجھ کو اپنی محبت اور چند روزہ دُنیا کی مزخرفات سے نفرت

دے۔ دنیا دار نے کہا کہ مجھ کو نیک کاموں کے لیے دنیا دے۔ خدا کے ہاں کس بات کی کمی اور کاہے کی دیر تھی۔ جو اُنھوں نے کہا وہی ہو گیا۔ وہ دونوں پہاڑ پر سے اپنے گھر آئے ایک خدا کی محبت سے نہال اور دوسرا دنیا کی جاہ وحشمت سے مالامال۔

خدا پرست خدا کی محبت میں چُور تھا اور اپنے دوست دنیا دار کے حال پر افسوس کرتا تھا کہ کس طرح دنیا کے کاموں میں مصروف ہے اور اُس کو خدا کی عبادت اور زہد و تقوے کے سوا کچھ کام نہ تھا مگر دنیا کی طرف سے نہایت عاجز اور ذلیل کبھی کبھی زکوٰۃ دینے کا جو ثواب ہے اُسے حاصل کرنے کی خواہش ہوتی تھی مگر مقدور نہ تھا کہ اس دولت کو حاصل کرے۔ حج کرنے کا شوق دل میں اُٹھتا تھا الا بے استطاعتی کے سبب سے مجبور تھا۔ اپنی قوم کو خدا پرست ہونے کی راہ بتاتا تھا مگر بے استطاعت اور بے مقدور قوم کیا کرے۔ پراگندہ روزی پراگندہ دل۔ کسی سے کچھ بن نہیں آتا تھا۔

ان بیچارہ کا یہ حال کہ نان شبینہ کو محتاج۔ کپڑا بدن پر نہیں کہ جس سے ستر ڈھانکیں۔ روٹی کھانے کو نہیں کہ بدن میں عبادت کی طاقت آوے۔ چارناچار شہر چھوڑنا پڑا۔ لوگوں سے کنارہ گزیں ہونے پر مجبور ہوا۔ جنگل میں جا بسیرا کیا۔ وحوش وطیور سے جا صحبت کو گرم کیا۔ دنیا اور دنیا کے کاموں سے نفرت کی اور خدا

احمد کی محبت سے الفت کی۔

فاقے پر فاقے ہوتے تھے مگر یہ شیر خدا کی محبت سے سیر تھے مگر جب تین تین دن کے فاقے گزرنے لگے تو مردار کھانے یا ایک ٹکڑا روٹی کا مانگنے پر مستعد ہوئے۔ لکڑی ٹیکتے ٹیکتے پاؤں لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے کسی گاؤں گنویں میں جاتے۔ ہیئت مبارک دیکھ کر گاؤں کے کتے پیچھے پڑ جاتے یہ بیچارے خدا پرست کتوں سے بچتے بچاتے ہشت ہشت کرتے کسی کے دروازے تک پہنچتے کسی نے دے دیا تو لے لیا ورنہ دوسرا دروازہ جا دیکھا جب قوتِ لایموت جھولی میں آیا پھر اس سے زیادہ سوال کرنا حرام سمجھا کسی کنوئیں کے کنارے پر بیٹھے سوکھے بھباک سے ٹکڑے چبائے کسی چلتے کنوئیں پر جا کھڑے ہوئے پانی کے دو چلو پی لیے۔ خدا کے نور کے شعلے سینے میں بھڑکتے تھے مگر نکل نہ سکتے تھے جس سے دنیا روشن ہو۔

رفتہ رفتہ ان کی بزرگی کا شہرہ پھیلا۔ دور و نزدیک کے لوگوں نے زیارت کا قصد کیا۔ لوگ جمع ہونے لگے۔ منتیں ماننے لگے۔ ہر ایک نے اپنے مطلب کی دعا منگوانی چاہی کسی نے بیٹے کی خواہش کی۔ کسی نے دولت چاہی۔ کسی نے روزگار کی تمنا کی۔ کسی نے تجارت کی ترقی کی آرزو کی۔ ان کو تو دنیا کی باتوں سے نفرت تھی۔ لاٹھی لے سامنے ہوئے۔ لوگوں کو سمجھانے لگے۔ دنیا چند روزہ ہے اس کے لیے کیوں ولولہ کرتے ہو۔ ولولہ کے لائق تو دین کی باتیں ہیں۔ دنیا کو چھوڑو

اور دین کی باتیں پکڑو۔

عقل مند اور نیک بخت آدمی ان کو بہت بزرگ سمجھتے تھے۔ مگر اُن کی نصیحتوں سے متعجب ہوتے تھے کہ اگر سچ مچ دین داری یہی ہے تو دنیا کا کیا حال اور دنیا کا کیونکر کام چلے گا۔ پیغمبر کا بھی زمانہ گزرا۔ صحابیوں کا بھی زمانہ گزرا۔ کسی نے دنیا کو نہیں چھوڑا مگر دنیا کو دین کے لیے برتا۔ وہ احکام شرعی بجا لاتے تھے۔ کینہ و بغض و حسد سے دل کو صاف رکھتے تھے۔ دغا و فریب اور جھوٹ سے بچتے تھے اور اچھے خاصے دنیا دار تھے۔ مولوی روم نے بھی یہی کہا ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بُودن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

طوطے کی طرح اللہ اللہ جپنا اور یاہُو کبوتر کی طرح غوٹر غوں کرنا اللہ کی یاد نہیں ہے بلکہ اُس نے جو چیزیں ہم کو مرحمت کی ہیں اُن کو اُسی کے کام میں صرف کرنا خدا کی یاد ہے۔ عقل ہم کو خدا نے اسی لیے دی ہے کہ اُس کی صنایع و بدایع پر غور کریں۔ اُس کی عجائب قدرت کو دیکھیں اور اُس کے وجودِ ازلی و ابدی بے چند و چند پر یقین کریں۔ آنکھ ناک حس و حرکت اس لیے بخشی ہے کہ ہماری عقل کے مصاحب اور مددگار ہوں۔ نطق ہم کو اس لیے دیا ہے کہ ہم اوروں کو اپنے خیالات کا فائدہ پہنچا دیں۔ مال و متاع اس لیے ہمارے لیے مہیا کیا ہے کہ ہم خود بھی اس سے فائدہ

اُٹھاویں اور اوروں کو بھی فائدہ پہنچاویں۔ یہ کیسا وحشیانہ طریقہ ہے جس میں اپنی غرض کے سوا اور کچھ مد نظر ہی نہیں ؎

گر آں گلیم خویش بروں می برد زموج
من سعی میکنم کہ برآرم غریق را

بعضے دس پانچ، سو پچاس آدمی جو اُنھیں سے بے وقوف تھے خدا پرست صاحب کے گرو ہوئے۔ دنیا کو اپنے خیال کے موافق چھوڑ، دھونی رما، مسلمان جوگی جی کے ساتھ ہو لیے۔ اور دنیا، عیش و آرام، اور اُس کے کاروبار کو ترک کرکے خدا کی خیالی محبت میں سرشار ہو گئے۔

اب خیال کرو ان بزرگواروں سے اسلام نے کیا عزت پائی اور اُن کے حال سے اسلام کی صورت کیسی دکھائی دی۔ اسلام ایسا دکھائی دیا جیسے ایک ضعیف پیر مرد۔ بزرگ پڑکر کھایا ہوا، میلا بدن، ٹوٹے دانت، ہڈی پہ چمڑا چمٹا ہوا کنپٹیاں بیٹھی ہوئیں پیٹ پیٹھ سے ملا ہوا، کمر کبھڑی، ٹانگیں ٹھٹھری، ہاتھ پاؤں کانپتے ہوے۔ لڑکھڑا لڑکھڑا لاٹھی ٹیک ٹیک ایک قدم آگے دھرا اور کپ کپا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھٹی گدڑی پڑی ہوئی، اودھر سے ران کھلی اُدھر سے چوتڑ کھلا جدھر گئے اُدھر ہزاروں مکھیاں چمٹ گئیں۔ اُدھر کتے بھوں بھوں کرکے پیچھے پڑ گئے۔ جس قوم کے سامنے سے نکلے اُس نے نفرت کی۔

ہر طرف سے دُور دُور پرے پرے کی آواز سُنی اور ذلت کے لیے مسلمان دنیا میں ضرب المثل ٹھہرے۔ سبحان اللہ ان نادان خداپرست نے خوب اسلام کی صورت دکھائی اور نہایت اُس کی عزت بنائی۔

اب دنیا دار صاحب کا حال سُنیے۔ جب وہ گھر آئے۔ دوست آشنا بھائی بند جمع ہوئے۔ لعنت ملامت کرنے لگے کہ دنیا کا لالچی۔ دنیا کا کُتا۔ ایمان سے بے بہرہ۔ دنیا کے عیش و آرام میں غرق اور اُسی کا طالب۔ دین کے بدلے دنیا لے کر آیا ہے۔

یہ بیچارہ چُپ۔ ان جاہلوں سے کیا کہے۔ اپنے دل میں کہتا ہے کہ میں نے تو نیک کاموں کے لیے دنیا لی ہے۔ اگر دنیا کو نیک کاموں کے لیے برتا جائے تو وہ ہزاروں زہد و تقوے اور جنگل میں بیٹھنے اور مالا جپنے سے بہتر ہے۔

خدا نے جو کچھ ہم پر فرض کیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اگر ہم "واللہ کا انزید ولا ننقص" کے مضمون پر یقین کریں تو صرف فرائض کے ادا کرنے سے قطعی بہشتی ہیں۔ باقی رہی اوپر کی نیکی وہ نادان خداپرست بننے سے حاصل۔ ہم کو دینداری کے لیے دنیا کے کاموں میں مصروف ہونا چاہیے۔ محرماتِ شرعیہ سے بچنا اور مباحاتِ شرعیہ کے مزے اُڑانا اور دنیا کو نیک کاموں میں برتنا بھی

بھی سب سے بڑی نیکی اور اصلی خدا کی عبادت ہے۔

پھر وہ اس سوچ میں گیا کہ کسی قوم پر خدا کی لعنت ہونے کی کیا نشانی ہے ہر چند سوچتا تھا کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ لوگوں سے پوچھتا تھا مگر تشفی نہ پاتا تھا۔ آخر ایک دن قرآن مجید پڑھتے پڑھتے یہودیوں کے حال میں یہ آیت اُس نے پڑھی "وضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباؤا بغضب من اللہ" یہ پڑھتے ہی وہ چلا اُٹھا۔ کہ پالیا پالیا بے شک دنیا میں قومی ذلّت خدا کے غضب کی نشانی ہے دنیا میں غریب۔ مسکین۔ محتاج۔ ہر قوم میں ہوتے ہیں مگر جب قومی ذلت اور قومی مسکنت دنیا میں ہو جاتی ہے تو وہ ٹھیک نشانی خدا کے غضب اور خدا کی لعنت کی ہوتی ہے۔

اب تو اس کا دل شیر ہوا اور ڈھارس بندھی اور کہا کہ بے شک میں نے اُس نادان خدا پرست سے اچھا کام کیا ہے۔ میں نے تو نیک کاموں کے لیے دنیا کو اختیار کیا ہے۔ اب تو میں دنیا ہی سے دین کو لے لونگا اور ایسے ایسے لنگڑے۔ لولے۔ بڈھے۔ ٹھیرے۔ نادان خدا پرستوں کو کوڑی کوڑی پہ بخرید کر پھینک دوں گا۔ پر۔ اے خدا جیسے کہ تو نے میری دعا قبول کی ہے میرے ساتھ رہ اور نیک کاموں میں دنیا کو برتنے دے۔

اب وہ اس سوچ میں پڑ گیا کہ اس دنیا کو کیونکر نیک کاموں میں برتوں

سب سے پہلے یہ خیال کیا کہ بھوکوں کو روٹی اور ننگوں کو کپڑا دو۔ پھر اپنے دل میں کہا کہ بات تو اچھی ہے کرنی تو چاہیے پر اس سے قومی ذلت تو نہیں جاتی جو خدا کے غضب کی نشانی ہے۔

پھر سوچا کہ حافظ نوکر رکھ کر قرآن بہت پڑھواؤ۔ لوگوں سے چلہ کھنچواؤ۔ ختم خواجگان کراؤ۔ بخاری شریف کی منزلیں پڑھواؤ۔ پھر ہنسا کہ اس سے کیا فائدہ۔ ایک کا کھایا دوسرے کے پیٹ میں کب آتا ہے۔

پھر سوچا کہ سب سے عمدہ یہ بات ہے کہ مسجدیں بنواؤ اور ٹوٹی مسجدوں کی جو خدا کے گھر ہیں مرمت کے لیے روپیہ اکٹھا کرو اور جھاڑ فانوس روشن کرو۔ پھر ہنسا اور کہا کہ زندہ خدا کے زندہ گھر یعنی قوم کے دل ٹوٹے پڑے ہیں دل کی آنکھوں کے پھوٹ جانے سے بے نور ہو رہے ہیں مسجد کس لیے بناؤں اور چراغ کس لیے جلاؤں۔

پھر سوچا کہ مکہ شریف روپیہ بھیجدو۔ وہاں کے غریبوں پر بانٹو۔ ایک ایک کے لاکھ لاکھ ملیں گے۔ روپیہ بھیج کر حاجیوں کے لیے رباطیں بنواؤ اور خیر جاری کا ثواب کماؤ۔ پھر ہنسنے لگا کہ کیا بے وقوفی کی بات ہے جہاں شدید ضرورت ہے وہیں روپیہ خرچ کرنے سے زیادہ ثواب ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ جو ضرورت مکہ میں پہلے تھی وہ اب بھی ہے یا نہیں۔ ہمارے ملک اور ہماری قوم میں جو ضرورت ہے وہ اُس سے زیادہ ہے۔ رباطیں بنوانے اور متولیوں کی آمدنی کر دینی بُری نہ سہی مگر جب ہماری قوم

کے گھروں پر چھپر نہیں ہیں تو مکہ میں رباطیں بنوانے سے کیا منفعت ہے۔

ایک صاحب اُٹھے کہ اجی سب سے عمدہ یہ بات ہے کہ غریبوں کو جہاز کرایہ کرا دو اور ننگے حج کو بھیج دو۔ اُس نے کہا کہ ہاں اپنی تو بڑی نیک نامی ہے مگر خدا کے نزدیک تو پشیمانی ہے۔ خدا نے جس پر جو بات فرض نہیں کی ہیں اُس پر فرض کرنے والا ہوں۔

بڑے خیر خواہ اور عقلمند جو تھے وہ اُٹھے کہ میاں عربی کا مدرسہ قائم کرو۔ قال اللہ۔ وقال الرّسول کا ذکر سُنو۔ حدیث۔ تفسیر۔ فقہ پڑھاؤ۔ ہمارے ہاں کی معقول۔ منطق۔ حکمت۔ فلسفہ ڈوبی جاتی ہے اُسکو بِلے لگاؤ۔ مگر یہ شخص سوچا کہ علوم دینیہ قوم کے زیور ہیں مگر جب قوم ہی نہیں تو وہ زیور کون پہنے گا۔ پُرانی حکمت اور فلسفہ کو اب کوڑی کو بھی کوئی نہیں پوچھتا اُس سے قومی ترقی اور قومی عزت کی کیا توقع ہے۔

غرض کہ سب کی باتیں اُس نے سُنیں اور کہا کہ یہ سب مکر کی باتیں یا شیطان کا نیکی کی صورت میں جلوہ افروز ہوکے دھوکے میں ڈالنا ہے۔ ان سب کو چھوڑو اور نیک نیت سے خدا پر بھروسا کرکے قومی عزت اور قومی ترقی کی فکر کرو اور اصلی نیک کام میں دنیا کو برتو۔

اُس نے سمجھا کہ پہلا سب سے بڑا قوی سبب قومی ذلت کا آپس میں ہمدردی

کا نہ ہونا ہے۔ میری قوم خود غرضی کی بیماری میں مبتلا ہے۔ اپنے فائدے کے لیے ہزاروں محنتیں کرتے ہیں اور اچھا کپڑا پہننے اور چین سے سونے اور ہنس ہنس کر میٹھی میٹھی باتیں بنا دینے کو تمام اخلاق اور لیاقت کا منتہا سمجھتے ہیں۔ قوم کی بھلائی اور رفاہِ عام کی طرف مطلق توجہ نہیں ہے۔ اُس نے اس بیماری کو کھونا چاہا اور فرض پنجگانہ ادا کرنے کے بعد قرآن کی تلاوت اور اوراد مندوبہ اور اعمال مشائخ کے بدلے اپنی قوّتِ لسانی اور مراقبۂ قلبی کو اس طرف متوجہ کیا۔ خلوت میں اس بات کی فکر کی کہ یہ بیماری کیونکر جاوے۔ جلوت میں پند و نصائح تقریر بیان سے اسی بات کا چرچا۔ اگرچہ بہت سی نا امیدیاں اُس کو پیش آتی گئیں الا اپنے ارادہ میں مستحکم اور ثابت قدم رہا اور یہ سمجھا کہ اس کام میں جتنا میرا وقت صرف ہوتا ہے وہ اُس مندوب عبادت سے جس کو لوگ عبادت سمجھتے ہیں کچھ کمتر عبادت میں صرف نہیں ہوتا۔

اُس نے بقدر اپنی طاقت کے مسائل شرعیہ اور حقائق و معارفِ قرآن و حدیث پر غور کیا۔ اُس نے دیکھا کہ علماے سابق نے اپنے زمانے کے علم کے موافق بہت سی باتیں ایسی کی ہیں جو زمانۂ حال میں یقینی غلط اور جھوٹی ثابت ہوئی ہیں اور تمام مسلمانوں نے اُن علماء کے غلط اقوال کو مثلِ احکامِ شارع سمجھ رکھا ہے۔ اور اس سبب سے اسلام کو یہ مضرت پہنچی ہے کہ جو لوگ زمانۂ حال کے علوم سے

واقف ہوتے ہیں وہ مذہبِ اسلام کو غلط سمجھتے ہیں حالانکہ مذہبِ اسلام میں غلطی نہیں ہے بلکہ اُن علما کے اقوال میں غلطی ہے۔ چند روز تک تو اُس نے اُن علما کا بڑا ادب کیا پھر وہ سمجھا کہ علما کے اقوالؔ کا غلط ہونا مذہبِ اسلام میں کچھ نقص نہیں لاتا۔ اگر بالفرض ابوبکرؓ و عمرؓ نے کسی بات میں غلطی کی ہو تو بھی مذہبِ اسلام پر کچھ داغ نہیں لگتا پھر اور بیچارے مولوی مُلا کس شمار قطار میں ہیں۔ تب اُس نے علماے وقت کی خدمت میں رجوع کی اور ہر ایک کے آگے ہاتھ جوڑے ناک رگڑی کہ خدا کے واسطے آپ ان غلطیوں کے رفع کرنے پر مستعد ہوجیے۔ یہ بیچارہ خود جاہل صرف دو چار لفظ سے آشنا تھا خود کیا کر سکتا تھا۔ مگر جب کوئی متوجہ نہیں ہُوا تب اُس نے کہا کہ جو عقل خدا نے مجھ کو دی ہے اُس کو کام میں لانا اور اپنے خیالات کو دوسروں تک پھیلانا خاص میری عبادت ہے۔ اُس نے ملامت کرنے والوں کی ملامت کا ڈر نہ کیا اور اسلام کی محبت کو ابوحنیفہؒ و شافعیؒ۔ مالکؒ و حنبلؒ کی محبت سے زیادہ سمجھا اور نیک نیتی اور صرف اسلام کی محبت سے جو کیا سو کیا۔ اور اُس کے عوض اپنے ہم مذہبوں سے جو سُنا اُس کو بخندہ پیشانی گوارا کیا۔

اُس نے بہادرانہ طور سے مذہب کو عقل کے سامنے ڈال دیا کہ جس طرح چاہو جانچو۔ سچا سچا ہی ہے اُس نے مذہب کو حقائقِ موجودات سے موازنہ کیا

اور دنیا کو یہ دکھلانا چاہا کہ خدا کا قول یعنی مذہب اور خدا کا فعل یعنی فطرت موجودات دونوں ایک ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں کا مبدأ ایک ہی ہے۔

اُس نے اپنی قوم سے تعصبات اور پابندیِ رسومات اور اوہامِ مذہبی کے، جو حقیقت میں مذہب سے متعلق نہ تھے چھڑانے کی کوشش کی تاکہ لغو خیالات سے لوگوں کے دل پاک ہوں۔ اُس نے لوگوں کو اس بات پر رغبت دلائی کہ اچھی باتیں جسمیں ہوں اُن کو لو اور بُری باتیں جس میں ہوں اُن سے پرہیز کرو۔ جو علوم غیر قوم اور غیر مذہب کے لوگوں نے پیدا کیے ہیں بلا تعصب سیکھو۔ جس زبان کے ذریعہ سے وہ علم آسکتے ہوں خواہ وہ انگریزی ہو یا فرانسیسی۔ یونانی ہو یا لاطینی۔ سب کو سیکھو اور اپنی قوم میں پھیلاؤ تاکہ اُنکو عجائباتِ قدرتِ الٰہی زیادہ تر معلوم ہوں اور دنیا حاصل کرنے کی بھی لیاقت ہو۔

صنائع و بدائع ہر قسم کے جو کسی قوم میں ہوں اُن کو اپنی قوم میں لانے کی کوشش کی۔ تجارت کے اصول جو غیر قوموں نے عمدہ طور پر قائم کیے ہیں اُن کو اپنی قوم میں مروج ہونے کی خواہش کی اور ان تمام باتوں سے یہ مقصود تھا کہ قوم کی مسکنت اور اُسکے باعث سے جو ذلت ہے وہ رفع ہو اور قوم آسودہ حال ہو اور اپنی قوم کے لوگوں کو سنبھالے اور شعارِ اسلامی کو بجا لاسکے جس سے اسلام کو رونق ہو۔

اُس نے خیال کیا کہ طریقۂ تمدن و معاشرت اگر خراب ہے تو وہ بھی ذلت قومی کا باعث ہے اُس نے اپنی قوم کے طریقۂ معاشرت و تمدن کے ادنیٰ و ذلیل درجے سے اعلیٰ درجہ پر تبدیل ہونے کی

کوشش کی تا کہ اسلام پر سے یہ جھوٹا دھبہ کہ خرابیِ معاشرت و تمدن کا باعث اسلام ہی، مٹ جائے۔

قوم کا معزز اور ذلیل نظر آنا اُن کے طریقہ، لباس اور اکل و شرب اور چال و چلن، اخلاق اور عادات پر بہت زیادہ منحصر ہے۔ اُس نے اُن کی درستی پر کوشش کی اور طہارت اور صفائی اور اُجلاپن اور لباس اور اکل و شرب کے طریقے کو بہت اعلیٰ اور عمدہ درجے پر پہنچانا چاہا جس کے سبب سے اور قوموں کی نظرِ حقارت جو اسلامی قوم کے ساتھ تھی وہ نہ رہی۔ اُس نے خوب غور کیا تھا کہ اسلام ایک مٹی کا پُتلا بنکر دنیا کے سامنے نہیں آسکتا۔ وہ اُس کے پیرووں کی خصلت اور افعال سے دکھائی دیتا ہے پس اُن کا طریقہ زندگی ایسا عمدہ و پاک صاف کیا جاوے جس سے اسلام کی جو اصلی صورت ہے دنیا کو نظر آوے۔

فرض کرو کہ یہ سب خواہشیں پوری ہوگئیں تو اُن کی بدولت اسلام کی کیسی صورت دکھائی دی جیسے ایک نورانی فرشتہ جس نے رحمت کے پر پھیلا کر تمام عالم کو اپنی رحمت سے ڈھانپا ہے۔ پس بڑی نادانی اور کم سمجھی کی بات ہے جو دنیادار کے ان کاموں کو دنیا کے کام سمجھے اور عین خدا کی عبادت نہ جانے۔

پریم پچیسی

کا نام جیسا دلفریب ہے ویسے ہی اُسکے مضامین دلچسپ اور سبق آموز ہیں جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے سکرٹری انجمن ترقی اُردو فرماتے ہیں کہ "بعض مقامات اس کتاب میں ایسے آتے ہیں کہ وہاں دل تھام کر پڑھنا پڑتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کہانیوں میں حب وطن کی بو آتی ہے۔ ملک کو اس بے بہا تحفے کیلئے منشی صاحب کا ممنون ہونا چاہیے۔ انکی کہانیاں اُردو زبان کا زیور ہیں" قیمت ۱۲/

تسخیر فرانس

شکسپیر جو خدائے سخن مانا جاتا ہے اسکے اعلے تخیل کی بہترین شانیں اسکے بےنظیر ڈراموں میں نظر آتی ہیں اور اس صنف شاعری کو سچ یہ ہے کہ اسی لازوال شاعر کے کمالات نے آسمان پر پہنچا دیا تسخیر فرانس اگرچہ ترجمہ ہے مگر عبارت کی سلاست اور طرز ادا کی خوبیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں قیمت ۸/

تہذیب

سید احمد شفیع خان صاحب نیر فرید آبادی مصنف کنولا بڑے طبیعت دار اور شوخ نگار انشا پرداز تھے اور تہذیب میں جسقدر مضامین ہیں یہ سب بصورت خطوط انھیں کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ زبان کی سادگی اور فصاحت ایک طرف پڑھنے والے کو رجھاتی ہے تو خیالات کی پاکیزگی وندرت اپنی دلفریبیوں کا شیدا بناتی ہے غرض کہ یہ مختصر مجموعہ اس قابل ہے کہ ہر شخص اسے پڑھے اور لذت اُٹھائے۔ قیمت ۴/

مرقع ادب

یعنی ہندوستان کے مشہور انشاپردازوں اور محققین اساتذہ سخن کے نہایت دلچسپ اور پر از معلومات خطوط کا نایاب مجموعہ مع اُن کے مختصر حالات کے۔ قیمت :

ملنے کا پتہ

منیجر الناظر بک ایجنسی لکھنؤ

الناظر

ہندوستان بھر میں کوئی رسالہ ایسا نہیں ہے جو اپنی خوبیوں اور خصوصیات کے لحاظ سے اسکی برابری کر سکے جن کا مختصراً یہاں ذکر کیا جاتا ہے :-

(۱) ہر قسم کے تاریخی - ادبی اور معاشرتی مباحث کے علاوہ فلسفہ اور سائنس کے مختلف شعبہ جات پر نہایت بیش بہا مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں -

(۲) ہر قسم کی اعلےٰ درجے کی کتابوں پر نہایت مفصل - منصفانہ اور قابلیت کے ساتھ تنقیدیں لکھی جاتی ہیں -

(۳) عام دلچسپی کے خیال سے دلآویز افسانے اور چھوٹے چھوٹے ناول برابر چھاپے جاتے ہیں -

(۴) نثر کے علاوہ استادوں اور خوش گو شاعروں کی بلند پایہ غزلیات اور اعلیٰ درجے کی موسمی - اخلاقی اور قومی نظموں سے کوئی پرچہ خالی نہیں رہتا -

(۵) تمام نقادانِ فن نے اسے تسلیم کر لیا ہے کہ الناظر کی زبان عموماً مستند - صحیح اور فصیح ہوتی ہے -

(۶) اشاعت ہمیشہ انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ ہوتی ہے - پابندی وقت میں انگریزی رسالے بھی الناظر کا مقابلہ نہیں کر سکتے -

(۷) کاغذ - لکھائی - چھپائی سب بدرجہ زیبا ورقیمت ان سب باتوں پر لحاظ کیجیے تو نہایت قلیل یعنی صرف ۶/ مع محصول ڈاک -

۴/ کے ٹکٹ بھیجکر ایک تازہ پرچہ بطور نمونہ کے منگائیے - ممکن نہیں کہ اسکے بعد آپ ہمیشہ اسکی ملاحظہ کے طلبگار نہ ہوں -

خادم - مینیجر الناظر - لکھنو